مولانا محمد سعید الرحمٰن علوی ـ لاہور

قسط اوّل

مولانا ابوالکلام آزادؒ کی مسندی میں رُتبۂ تجدید سے ذریعیت

عزیزی ذوالکفل سلمہٗ نے چند ماہ قبل احقر جیسے طالب علم سے فرمائش کی کہ مولانا ابوالکلام آزاد رحمہ اللہ تعالیٰ کی حیاتِ مبارکہ کے دو پہلوؤں سے متعلق کسی قدر تفصیل سے لکھوں، ایک تو مولانا کی خدمتِ قرآن کے حوالہ سے، دوسرے انکے فقہی مسلک و ذوق کے حوالہ سے، اس کے تھوڑے دِنوں بعد مخدومی سیّد ابومعاویہ ابوذر شاہ صاحب بخاری کی زیارت و ملاقات کی غرض سے ملتان کا سفر ہوا تو یاددہانی کرائی گئی لیکن احقر اپنی کم ہمتی اور بعض دوسرے اسباب و عوارض کی وجہ سے اب تک قلم نہ اُٹھا سکا، کہ چند دن قبل عزیزی کا کرم نامہ ملا، جس میں محبت بھرا شکوہ تھا اور امریکی صدر جارج بش کی طرح ۱۵ جنوری کی ڈیڈ لائن بھی، اِدھر احقر آجکل موسمی اثرات کی شدید لپیٹ میں ہے اور ساتھ ہی یونیورسٹی کا ایک امتحان سر پر ہے جس کے لئے اللہ تعالیٰ کا بھروسہ اور کرم ہی سرمایہ ہے اور بس ــــــ بہرحال کسی قدر اختصار کے ساتھ چند گزارشات پیشِ خدمت ہیں ؎ گر قبول افتد زہے عزّ و شرف

(علوی)

قدرتی بات ہے مسلمانوں کے دورِ زوال میں جتنی بڑی علمی، دینی، سیاسی اور جہادی شخصیتیں قدرت کے کرم سے سامنے آئیں شاید دورِ عروج میں اس تناسب سے نظر نہیں آتیں، شاید اللہ تعالیٰ کی خاص حکمت کا معاملہ ہو کہ سرداری و عظمت سے محروم قوم بالکل ہی محروم ہو کر نہ رہ جائے، ابوالکلام بھی قدرت کا ایک ایسا ہی عطیہ ہے جو ۱۸۵۷ء کے خونی سال کے بعد اس خفتہ بخت قوم کو نصیب ہوا اور گویا ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی رہی تو قدرت کو رحم آیا اور بعض ایسے لوگ سامنے آئے جنہیں ایمان و یقین کی لازوال دولت میسّر تھی، راسخ فی العلم تھے، سراپا عمل و صدق، اخلاص کا چلتا پھرتا نمونہ اور صورِ اسرافیل کے سے انداز میں للکارنے والے ابوالکلام

انہی میں سے ایک تھے، خانقاہ تھانہ بھون کے ایک مخلص ارادت مند عبدالماجد دریاآبادی ساری عمر مرحوم آزاد سے الرجک سے رہے لیکن اس کی موت پر تڑپ اُٹھے اور لکھ گئے کہ :

"خدا معلوم کتنے مختلف علوم اور متعدد فنون کے خزانے دماغ میں جمع ہو گئے تھے ۔ اور ہر وقت مستحضر، طلب ہو کر الٰہیات، فقہ ہو یا کلام، شعر و ادب ہو یا موسیقی، تاریخ ہو کہ سیاست، جس فن سے متعلق بھی جو موضوع ہو بس گفتگو چھیڑنے کی دیر تھی...... تقریر بھی ایسی دل آویز مربوط کہ فصاحت و بلاغت بلائیں لیتی جا رہی ہے ۔" (صدق جدید لکھنو ۱۴ر مارچ ۱۹۵۸ء)

مولانا کو علم کے ہر شعبہ سے جو حصۂ وافر ملا اس کے دوسرے اسباب کے ساتھ ایک سبب یہ بھی تھا کہ قدرت نے انہیں خاندانی لحاظ سے بڑا خوش نصیب بنایا تھا، ضروری نہیں کہ اچھے خاندانوں کی اگلی نسل بھی خاندانوں کی عظمت کی حامل ہو، آخر سیدنا نوح علیہ السلام جیسے عظیم پیغمبر کا بیٹا بھی تو راندۂ درگاہ ہوا اور اللہ رب العزت نے یہ بھی فرمایا کہ :

"انبیاء کے بعد ایسے لوگ ان کے جانشین و وارث قرار پائے جو نمازوں کے ضائع کرنے والے اور خواہشات کے پجاری تھے، ایسے لوگوں کا انجام جہنم کے سوا کیا ہوگا ؟"

لیکن وہ خوش قسمت بھی تو ہوتے ہیں جنہیں "ولد صالح" کی شکل میں ایسی اولاد میسر آتی ہے جو مرنے کے بعد بھی والدین اور خاندان کے اکابر کے لئے خیر کا باعث بنتی ہے اور سیدنا المکرم محمد کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی نبوی برادری کے ایک حصہ کے ذکر میں "الکریم ابن الکریم ابن الکریم ابن الکریم" فرمایا (یوسف بن یعقوب بن اسحٰق بن ابراہیم علیہم الصلاۃ والتسلیم) اور قرآن نے داؤد کا وارث سلیمان کو قرار دیا (سلام اللہ تعالیٰ علیہما و رضوانہ) اور حضرات انبیاء کے بعد کائنات کے سب سے سچے انسان سیدنا المخدوم ابوبکر صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خاندان کی ۴ نسلوں کو "شرف صحابیت" حاصل ہے، گویا جہانِ رنگ و بُو میں خاندان کے نااہل وارث اور اہل وارث دونوں طرح کے نظر آتے ہیں، ابوالکلام خوش قسمت ہیں کہ ان کا خاندانی سلسلہ بہت عظیم تھا۔ والد اور والدہ ہر دو طرف سے آپ کے اسلاف ایسے تھے جو علم و روحانیت کی دنیا میں امتیازی مقام کے حامل تھے مولانا نے قدرت کے اس کرم کا خود ذکر کیا اور فرمایا :

میرے خاندان میں تین مختلف خاندان جمع ہوئے ہیں اور تینوں خاندان ہندوستان و حجاز کے ممتاز بیوت علم و فضل اور اصحاب ارشاد و رایت میں سے ہیں ۔

ان کی تفصیل کا ذکر کرتے ہوئے مولانا نے اپنی والدہ کا ذکر کیا جو اُس دور میں حجاز کے سب سے بڑے محدّث شیخ محمد ظاہر وتری رحمۃ اللہ تعالیٰ کی بھانجی تھیں، مولانا کے دادا ایک ایسے خاندان کے فرد تھے جس خاندان میں بیک وقت پانچ پانچ علماء درس و افتاء اور اصحابِ سلوک و طریقت پیدا ہوتے رہے تو والد کے نانا مولانا منور الدین حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ تعالیٰ کے اجلّہ تلامذہ میں سے تھے، "علوم ظاہر و باطن کے جامع" اور "مخصوص اصحاب کمال" میں سے ایک !

اِس ماحول میں ابوالکلام نے آنکھ کھولی اور جیسا کہ ہم نے عرض کیا کہ یہ ماحول مسلمانوں کے شدید دورِ زوال کا تھا، مسلم اُمّہ چاروں طرف بدترین حالت کا شکار تھی، قُدرت نے اِس خفتہ بخت اُمت کے لئے کچھ افراد کو چُنا، ان میں ابوالکلام بھی تھے، خاندانی عظمتیں ان کا سرمایہ تھیں، بڑی توجّہ سے اُن کی تعلیم ہوئی اور مستقبل میں بڑا آدمی بننے کے لئے قُدرت نے اپنے فضلِ خاص سے اِس طرح انہیں نوازا کہ وہ مالک الملک کی آخری کتاب سے یاری لگا کر بیٹھ گئے اور منشورِ حیات یہ قرار دے لیا کہ :

ماہر چہ خواندہ ایم فراموش کردہ ایم
اِلّا حدیثِ یار کہ تکرار می کنیم

اور یہ کہ : نہ شبم نہ شب پرستم کہ حدیثِ خواب گویم
چوں غلامِ آفتابم ہمہ ز آفتاب گویم

دیکھیں، حقائق و معارفِ قرآنی کے ضمن میں فضلِ خداوندی کا ذکر کس انداز سے کرتے ہیں ؟ اس میں آپ کو قلبِ صادق کی صدائے بازگشت نظر آئے گی جس میں تکلّف ہے نہ تصنّع —— فرماتے ہیں :

اگر تم کہو، حقائق و معارفِ قرآنی کی طرف رہنمائی، ایک فضلِ مخصوص ہے جس کے اِنکشاف کے لئے خُدائے تعالیٰ نے اِس عاجز و درماندہ قلب کو چُن لیا تو یہ فی الحقیقت سچ ہے ۔

اور "غبارِ خاطر" کا ایک اقتباس ملاحظہ فرمائیں جس میں نہایت درجہ سادگی و اخلاص اور صدق و دیانت کے ساتھ اپنے سفرِ حیات کا ذکر کرتے ہوئے حضرتِ حق جلّ وعلیٰ بعدہ کا اِس طرح ذکر فرماتے ہیں کہ ان کے جسم کا رُواں رُواں بارگاہِ ایزدی میں جُھکا نظر آتا ہے :

"جس ہاتھ نے زمانہ کی آغوش سے کھینچا تھا بالآخر اُسی نے وحشت نوردیوں کی تمام بے راہ رویوں میں بھی رہنمائی کی اور اگرچہ قدم قدم پر ٹھوکروں سے دوچار ہونا پڑا اور چپہ چپہ پر رکاوٹوں سے اُلجھنا

پڑا مگر طلب ہمیشہ آگے بڑھا لے گئی اور جستجو نے کبھی گوارا نہیں کیا کہ درمیانی منزلوں میں رک کر دم لے لے، بالآخر دم لیا تو اس وقت لیا جب منزلِ مقصود سامنے جلوہ گر تھی اور اس کی گردِ راہ سے چشم تماشائی روشن ہو رہی تھی ...... چودہ برس کی عمر میں جبکہ لوگ عشرتِ شباب کی سرمستیوں کا سفر شروع کرتے ہیں، میں اپنی دشت نوردیاں ختم کر کے تلووں کے کانٹے چن رہا تھا ....

گویا اس معاملہ میں بھی اپنی چال زمانہ سے الٹی رہی لوگ زندگی کے مرحلے میں کمر باندھتے ہیں میں کھول رہا تھا" جس کی زندگی کے شب روز ایسے تھے اس نے بقولِ خود قرآنِ مجید پر اس طرح غور کیا کہ :

"اس کی ایک ایک سورت، ایک ایک مقام، ایک ایک آیت، ایک ایک لفظ پر میں نے وادیاں قطع کی ہیں اور مرحلوں پر مرحلے طے کئے ہیں"

یہ سلسلہ کتنے عرصہ چلا ـــــ ؟ ترجمان القرآن کی پہلی جلد کی اشاعت کے وقت اس پر ۲۷ برس بیت چکے تھے اور "تفاسیر و کتب کا جتنا مطبوعہ ذخیرہ تھا اس کا بڑا حصہ موصوف کی نظر سے گزر چکا تھا" اس کیساتھ ہی والدِ مرحوم اور خاندان کے دوسرے علمی بزرگوں نے مصر و حجاز اور ترکی کے کتب خانوں سے جو علمی ذخیرہ فراہم کیا مطبوعہ شکل میں یا نقل کی شکل میں وہ سب بقول کسے "چاٹ" لیا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ :

"علومِ قرآن کے مباحث و مقالات کا کوئی گوشہ نہیں جس کی طرف سے حتی الوسع ذہن نے تغافل اور جستجو نے تساہل کیا ہو"

اس انداز سے جس نے قرآن کو اپنی توجہات کا مرکز بنایا۔ اس کی طرف سے پہلی جلد چھپ کر آئی تو حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے بقول وجدانی حوالہ سے قرآن کے سب سے بڑے شارح و مفسر امیرِ شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے سب سے بڑھ کر داد دی اور جالندھر کے ایک قدیم خادمِ امیرِ شریعت کے بقول :

شاہ جی، مولانا کا تحفہ لے جا کر جالندھر آئے، تقریر طویل تھی اور ایک لفظ "تھوڑی ہو لیکن قرینے کی" پر ساری تقریر کر ڈالی جس کا شانِ نزول یہ تھا کہ شاہ جی نے اس تحفہ کو وصول پا کر ابو الکلام کی درازیٔ عمر کی دعا مانگی تو ابو الکلام نے کہا ـــــ میرے بھائی ایسے نہ کہو یوں دعا کرو ـــــ "تھوڑی ہو لیکن قرینے کی ـــــ"

مولانا آزاد قدس سرہٗ اردو زبان کی تاریخ میں پہلے شخص پیدا ہوئے جنہوں نے دہلی مرحوم کے عظیم

نابغہ مولانا احمد سعید کے بقول "عربیٔ مبین" کو "اردوئے مبین" میں منتقل کیا اور دہلی کے ہی ایک عالم مولانا عبدالسلام نیازی جو معتدد روایات کے مطابق مشکل سے کسی کو منہ لگاتے، فرماتے کہ :

" ظالم ـــــ ! جبریل کی زبان بولتا ہے "

جبریل کی زبان بولنے والے ابوالکلام کی قرآنی ذریات کا بڑا حصہ انگریز کے جبر کی نذر ہوگیا اور یوں مسلم اُمہ قرآن مجید کے اس شاہکار کا مکمل نسخہ نہ دیکھ سکی۔ اس شاہکار کے لئے ترجمہ کی بنیاد تو شاہ عبدالقادر رحمہ اللہ تعالیٰ کا ترجمہ تھا جو اُردو تراجم کے لئے سنگِ میل ہے اور الحکیم العارف محمد قاسم النانوتویؒ کے بقول ایسا ترجمہ کہ :

" اگر قرآن اُردو میں نازل ہوتا تو شاہ عبدالقادر کی اُردو میں۔"

سید سلیمان ندوی مرحوم جو مولانا کے بہت دِنوں حلقۂ احباب میں شامل رہے لیکن جب ابوالکلام کی تیز رفتار ترقی کا ساتھ نہ دے سکے تو "معاصرت" کا شکار ہوکر بلکی کی ٹیڑ پر اُتر گئے وہ بھی اس بات کے گواہ ہیں کہ شاہ عبدالقادر رحمہ اللہ تعالیٰ کے ترجمہ سے مولانا کو کس قدر عشق تھا۔ اور سید صاحب نے ہی "ترجمان القرآن" کو "ناتمام شاہ کار" قرار دیا بالکل اسی طرح جس طرح مصر کے زعیم محترم السید رشید رضا کی کاوش نامکمل رہ گئی ـــــ شاہ صاحب کے ساتھ ساتھ اُن کے والدِ گرامی امام ولی اللہ الدہلوی کا فارسی ترجمہ و تفسیری نوٹس، امام ابنِ تیمیہؒ امام ابن قیم کی کاوشیں اور عربی لغت کے حوالہ سے زمخشری، راغب اور ایسے ہی لوگ مولانا کی توجہات کا مرکز رہے معاصر بزرگوں میں علامہ شبلی سے اُنہیں ایک درجہ تلمذ کا شرف حاصل تھا، اور اُنہی کے عزیز مولانا حمیدالدین فراہی سے بھی تلمذ کا شرف اس طرح حاصل کیا کہ وہ اربابِ ندوہ کی خواہش پر ندوہ میں اکثر طویل طویل قیام کرتے، مولانا چونکہ اِن دِنوں یہاں شبلی کی محافل میں موجود تھے اس لئے اِس چشمۂ فیض سے بھی سیرابی از بس لازم تھی کہ "جویائے علم" کے لئے علم کا ہر سرچشمہ "آبِ حیات" کی حیثیت رکھتا ہے مولانا کو اِس بات کا شدّت سے احساس تھا کہ :

" مختلف اسباب سے صدیوں سے اِسطرح کے اسباب و موثرات نشو و نما پاتے رہے جن کی وجہ سے بتدریج قرآن کی حقیقت نِگاہوں سے مستور ہوتی گئی اور رفتہ رفتہ اس کے مطالعہ و فہم کا ایک نہایت پست معیار قائم ہوگیا۔"

اِسی کا شاخسانہ تھا کہ جب کبھی کسی جویائے حق نے اِس حوالہ سے قدم و قلم اُٹھایا اور پردوں میں مستور اس کتابِ مقدس کو، جو زندہ کتاب ہے (اور اقبال کے بقول "خواجہ" (مراعات یافتہ طبقات) کے لئے "پیغامِ مرگ")

سامنے لانے کی کوشش کی تو اسے شدید مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا ۔ برصغیر میں شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ اور ان کے اخلاف جن حالات سے گزرے اور اب تک گزر رہے ہیں اس کا سبب اس کے سوائے کیا ہے کہ مفاد پرست عناصر کو گوارا نہیں کہ قرآن کی حقیقت سے لوگ آشنا ہوں ۔ مولانا فرماتے اور بہت صحیح کہ "جو تنزل نظر آتا ہے اور فہم قرآن کا جو پست معیار قائم ہوا ہے اس کا سبب ہم لوگ ہیں" وہ لوگ ہیں جنہوں نے مکھی پر مکھی مار کر اس کتاب کو چیستان بنایا ——— ورنہ :

"یہ بات دعویٰ کے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حیاتِ مبارکہ سے لیکر آج تک مطالعہ وفہمِ قرآن وتفسیر وتوضیح کی اصل حقیقت نہ کبھی مستور ہوئی اور نہ کبھی گم ہوئی ———"

ظاہر ہے کہ خدانخواستہ ایسا ہو جاتا تو یہ بات "وعدۂ حفاظتِ خداوندی" کے مخالف ہوتی اور ایسا ممکن نہیں ——— مولانا کے بقول :

"اس امرِ بدیہی پر سب کا تقریباً اتفاق ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو ، جو قرآنِ حکیم کے اولین مخاطب تھے قرآن کے فہم ومعرفت میں کسی طرح کی دشواری محسوس نہیں ہوئی وہ سنتے ہی اسکی حقیقت پا لیتے تھے ۔"

مزید فرماتے ہیں کہ :

"یہ صحیح ہے کہ بعض الفاظ وتعبیرات وتصورات وارشادات اور تشبیہات کے بارے میں ان کو مشکل بھی پیش آئی تھی مگر اس کے حل کے لیئے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم ان کے درمیان تشریف فرما تھے اور آپ ایسی صورتوں میں انکی دستگیری اور تربیت فرماتے کہ بحکم ارشادِ الٰہی آپکا فرض منصبی قرآن کریم کی تبیین وتشریح بھی تھا ۔ اولین مخاطبین کا ایک بڑا گروہ نہ صرف حاملینِ قرآن اور جامعینِ قرآن پر مشتمل تھا بلکہ مفسرین وشارحین کا بھی تھا اور اس "خیر الامّت" نے مسلمانوں کی دوسری نسل کی اسطرح تربیت کی جس طرح پیغمبرِ اسلام نے انکی تعلیم وتربیت فرمائی تھی اور انہوں نے نبوی وراثت اور قرآنی فکر کو اپنے جانشینوں کے سپرد کیا جو تابعین کہلائے ۔"

مولانا کا نقطۂ نظر یہ ہے اور بالکل بجا کہ اس کے بعد جس طرح زندگی کے باقی معاملات میں تنزل کا سلسلہ جاری رہا ۔ یہی حال فہم قرآن کے سلسلہ میں ہوا ۔ لیکن جیسا کہ وہ فرماتے ہیں کہ : "منہجِ نبوی کے مطابق اصل

حقیقت کبھی مستور نہ ہوئی اور نہ گم ہے۔ اسی لئے کئی بار وہ شعلۂ جوالہ بن کر اُٹھی اور ایک دنیا کو روشن و منوّر کیا، اِس بیسویں صدی میں برِ عظیم پاک و ہند میں اس خدمت کی سعادت مولانا کو میسر آئی۔ اور آپ نے منہجِ نبوی و منہجِ صحابہ گویا ــ " ما انا علیہ و اصحابی ـ" کے انداز میں سیدھے سادے قرآن کو صاف الفاظ میں اس دَور کی زبان میں پیش کرکے ایک فرض ادا کیا، ایسا فرض جس پر مولانا محمود حسن شیخ الہند سے لے کر امیرِ شریعت سیّد عطاء اللہ شاہ بخاری رحمہم اللہ تعالیٰ تک سبھی آپ کے معترف اور قدردان تھے، یہ صحیح ہے کہ ابوالکلام کو معاصرین کے ایک بڑے طبقہ کی طرف سے جلی کٹی بھی سُننا پڑیں۔ تفسیر کے حوالہ سے خاص کر مولانا ابراہیم میر سیالکوٹی جیسے اہلِ حدیث عالم نے کج رَوی کا مُظاہرہ کیا لیکن شیخ الہند، عبدالباری فرنگی محلی، حبیب الرحمٰن لُدھیانوی، احمد سعید دھلوی، عطاء اللہ شاہ بخاری، سیّد حسین احمد مَدنی، سیّد سُلیمان نَدوی، عبدالسلام ندوی، حفظ الرحمٰن سیوہاروی رحمہم اللہ تعالیٰ جیسے بُزرگ اور ہم عمر معاصرین کے ایک بڑے طبقہ نے اُن کی تحسین بھی کی جو بلاشُبہ عنداللہ اُنکی خدمتِ قرآنی کی مقبولیت کی دلیل ہے اور اُنکی زندگی میں چھپنے والی "ترجمان القرآن" مُسلسل چھپ رہی ہے ہزارہا لوگ اِس سے اِستفادہ کر رہے ہیں اور آزاد صدی (۱۹۸۸ — ۱۸۸۸ء) کے حوالہ سے الھلال ـ البلاغ ، سمیت ان کا تمام تر علمی سرمایہ عکسی شکل میں سامنے آ رہا ہے۔ کیا ہندوستان، کیا پاکستان، کیا عرب اور کیا یُورپ، ہر جگہ کی لائبریریاں ابوالکلام کے سَرمایہ سے پُر ہیں اور اپنے و بیگانے اُس پر لکھ رہے ہیں، لکھتے رہیں گے ـــــ انشاء اللہ تعالیٰ۔

مولانا احمد علی لاہوری رحمہ اللہ تعالیٰ کے فرزندِ رشید مولانا عبید اللہ انور مرحوم کے بقول "مولانا عبید اللہ سندھی اور مولانا ابوالکلام آزاد نے اِس دَور میں وہ کہا جو اس دَور ہی کی نہیں، آنیوالے دَور کی بھی ضرورت ہے، اور آنیوالی نسلیں بھی انشاء اللہ تعالیٰ ان بندگانِ حق کے افکار سے اِستفادہ کریں گی۔" پاکستان میں "الھلال" کی عکسی اشاعت کی تقریب رُونمائی میں سِندھ کے صاحبِ نظر سیاست دان مرحوم علی احمد تالپور نے بڑی خُوبصورت بات کہی کہ: "مجھ سے امریکہ میں سَوال ہوا کہ اِس دَور میں قرآن فہمی کے لئے کونسا ترجمہ اور تفسیر دیکھی جائے۔ میں نے ایک ہی بات کہی کہ ابوالکلام کا ترجمہ و تفسیر ـــــ ابوالکلام، اُس ذات گرامی کی طرح (جس پر قرآن نازل ہُوا۔) دُنیا میں کوئی اولادِ ذکور (بلکہ کوئی صُلبی اولاد) چھوڑ کر نہ گیا اور محض وراثتِ علمی ہی چھوڑ کر گیا" ـــــ مرحوم تالپور کو ابوالکلام کے ترجمہ و تفسیر سے جو دِلچسپی تھی اِس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ اپنی وفات سے تین روز قبل اپنے ایک لندنی دوست کو آخری خط لکھا کہ "میں چاہتا ہوں کہ آپ ایک بار

ضرور مولانا ابوالکلام کا ترجمہ و تفسیر دیکھ لیں تاکہ جو ذہنی خلجان ہیں وہ دُور ہو جائیں۔" ابھی سال بھر قبل کراچی کا ایک سروے شائع ہوا کہ آج کل سب سے زیادہ کون سا اہلِ قلم مقبول ہے اور کس کا سرمایہ سب سے زیادہ پڑھا جا رہا ہے؟ اِس سروے کے مُطابق ابوالکلام کا نام آیا، اِس پر تحریک پاکستان کے صحافتی محاذ کے سربراہ "نوائے وقت" کے پیٹ میں مروڑ اُٹھا اور اس نے اِس پر صدائے احتجاج بُلند کی کہ جناح و اقبال کے ملک کا یہ حال ہو گیا ہے کہ اس ملک کے سب سے بڑے شہر کی علمی دنیا پر ابوالکلام غالب آ رہا ہے۔ اس پر اُس وقت کے شیخ الجامعہ کراچی نے ایک مضمون کے ذریعہ واضح کیا کہ: "دریا کے پانی کو روکنا زیادہ دیر کے لئے ممکن نہیں، وہ اپنا راستہ بناتا اور بناتا چلا جاتا ہے" شیخ الجامعہ کے بقول ابوالکلام کے خِلاف منفی پروپیگنڈا اب کارگر نہ ہوگا اور یہ دریائے علم اب روکا نہ جا سکے گا ——— ابوالکلام نے "کتابِ مُبین" کو زندگی بھر اپنی توجہات کا مرکز بنایا اور زندگی کی ابتداء، درمیان اور انتہا میں ایک بار نہیں بار بار سیّدنا المکرم جناب صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اِس ارشاد کو نقل کیا (جسے بعض حضرات، حضرت امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرتے ہیں)

کہ اِس اُمت کی انتہا میں اصلاح اِسی نسخہ شفاء سے ہوگی جس سے

اِبتداء میں اِصلاح ہوئی ——— یعنی قرآن سے!

اگر حوادثِ روزگار سے مرحوم کو فُرصت ملتی تو بہت کچھ سامنے آ جاتا لیکن جو آیا طلبِ صادق رکھنے والوں کے لئے وہی کافی ہے شرط محض اِتنی ہے کہ تعصب کی عینک اُتار کر اور لیگی کانگرسی کے چکر سے نکل کر بطورِ مسلمان نگارشاتِ ابوالکلام کا مطالعہ کیا جائے اور جذبۂ عمل کی بیداری کی نیّت سے، یقین ہے کہ دِل کا زنگ اُتر جائے گا اور مسلمان اپنے مقام کو پا لے گا! (جاری ہے)

مومنین اہلِ سنت والجماعت کے لئے ایک عظیم علمی تحفہ!

نمازِ پیمبر صلی اللہ علیہ وسلم

- مسائل قرآن مجید، احادیث مبارکہ اور آثار صحابہؓ سے مدلل۔
- پیغمبر عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی عملی نماز کی واضح تصویر
- مستند مآخذ، علمی سرمایہ، عام فہم اندازِ بیان۔

دلکش ترتیب۔

- اُردو خواں حضرات کے لئے مدنی تحفہ جس کی افادیت مسلّمہ ہے۔
- امام ابوحنیفہؒ کی علمی عظمت، فلسفیانہ اندازِ استدلال اور سنت سے والہانہ وابستگی کی ایک جھلک۔

تالیف: الشیخ محمد الیاس فیصل مدینہ منورہ

تقدیم: الشیخ محمد شفیق اسعد

ہر اچھے بک سٹال سے یا براہِ راست ہم سے طلب کریں

سُنّی پبلی کیشنز

پوسٹ بکس نمبر ۷۶۶ لاہور

قیمت ۴۵/۰۰ روپے